An International Journal of
ISLAMIC AND SOCIAL SCIENCES
ISLAMICUS

PAKISTAN ISLAMICUS
(An International Journal of Islamic and Social Sciences)
Volume: 04, Issue: 03, July–September 2024, Pages: 01-20
Journal Website: https://pakistanislamicus.com/index.php/home
Publisher Website: https://www.mircpk.net

MUSLIM INTELLECTUALS Research Center Multan-Pakistan

صوفیہ بر صغیر اور ترکیہ کے ملفوظات کی روشنی میں دعوتِ دین کے مظاہر: تیرہویں صدی عیسوی کے تناظر میں

REFLECTIONS OF PREACHING ISLAM IN MALFŪZĀT OF SUFIS OF SUB-CONTINENT AND TURKEY: A STUDY FROM THE CONTEXT OF 13TH CENTURY: A RESEARCH STUDY

Hafiz Mudassar Farooq[1], Dr Saeed Ahmad Saeedi[2].

[1] PhD Scholar, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab Lahore, Punjab, Pakistan.
[2] Associate Professor, Institute of Islamic Studies, University of the Punjab Lahore, Punjab, Pakistan.

HEC "Y" Category
HJRS HEC Journal Recognition System

ARTICLE INFO

Article History:

Received: June 06, 2024
Revised: July 01, 2024
Accepted: July 03, 2024
Available Online: July 05, 2024

Keywords:

Reflections
Preaching Islam
Malfūzāt of Sufis
Sub-Continent & Turkey
13th Century

Funding:

This research received no specific grant from any funding agency in the public, commercial, or not-for-profit sectors.

Copyrights:

Copyright Muslim Intellectuals Research Center. All Rights Reserved © 2021. This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

ABSTRACT

Malfūzāt Literature of the subcontinent in 13th century contains on discourses of Khāwājā Nizām al Din named "Fawāid al Fawād", while on the other hand, in turkey the collections of Maulānā jalāl al Din Rumi named "Fihi Ma Fihi" and "Majalis e Saba'a" are prominent. In this research, it is examined that Sufis used to emphasize practical preaching more than verbal preaching. They claimed that the companionship of righteous persons is more important for guidance. They teach the lessons to their followers to adopt the right path and to avoid the evils. According to their teachings, it is clarified that obedience to Holy Prophet is a way to the success in every field of life. They narrate that worship is not only related to the performance of actions but they advise to put forward the same concept of worship which is explained in hadith e Jibrail. From the contents of this article, it is very clear that according to the great Sufis there is unity in Shariah and Tariqah and there is no difference between them.

Corresponding Author's Email: mudassar4811@gmail.com

صوفیہ کے ملفوظات کو جمع کرنے اور انھیں باقاعدہ تصنیفی صورت میں مرتب کرنے کا کام ساتویں صدی ہجری کے آغاز میں شروع ہوا۔ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی تقاریر اور آپ کے ارشادات کا مجموعہ ''فیہ ما فیہ'' اس سلسلے کی سب سے پہلی کڑی ہے، جب کہ برصغیر پاک وہند میں سب سے پہلا مجموعۂ ملفوظات ''انیس الارواح'' ہے، جو خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مرشد خواجہ عثمان ہرونی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ جناب شمس بریلوی فوائد الفواد کے مقدمہ میں ''ملفوظات کی ادبی تاریخ'' کے تحت لکھتے ہیں:

''اگرچہ بعض محققین ان ملفوظات کے وضعی ہونے کے بارے میں شبہ ظاہر کرتے ہیں، لیکن میرے ناچیز خیال میں ایک ایسی برگزیدہ شخصیت جس نے بہت سے ماہ و سال مرشد والا مرتبت کی خدمت میں بسر کیے اور کمال مجاہدہ و ریاضت کے بعد خرقۂ خلافت حاصل کیا، کس طرح ایسی جرأتِ بے جا کر سکتا ہے۔ ہمارے مشائخ عظام ہوا و ہوس، نفس پروری، شہرت و نام وری کے عیوب سے قطعی منزہ اور پاک تھے، لہٰذا کس طرح یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ ملفوظات حضرت خواجہ قدس سرہ کے مرتبہ اور ان کے مرشد کامل کے ملفوظات نہیں ہیں۔ اگر یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ اور کسی شخص نے اپنے الفاظ اور خیالات کو جمع کر کے ان کو ملفوظاتِ حضرت عثمان ہرونی کے نام سے موسوم کر دیا تو ذرا غور فرمائیے کہ مرتب کے لیے اس سے کیا فائدہ مرتب ہوا؟ نہ شہرت، نہ نام وری! پھر ان ملفوظات کو وضعی کس طرح قیاس کیا جائے۔''[1]

اس بات سے قطعِ نظر کہ ''انیس الارواح'' نامی ملفوظات وضع شدہ ہیں یا نہیں، یہ واضح ہے کہ بر صغیر میں ملفوظاتی ادب کی تدوین کا عمل انھی سے شروع ہوا۔ علاوہ ازیں جناب شمس بریلوی کی آخر الذکر دلیل کم زور ہے کہ مرتب کو کیا فائدہ حاصل ہوا، کیوں کہ فی زمانہ یہ حقیقت مخفی نہیں کہ ایسی کتب بھی مارکیٹ میں دستیاب ہیں، جن کے نسبت کسی معروف مصنف کی جانب کر دی جاتی ہے، حالاں کہ اس تصنیف کا اس معروف مصنف کی سوانح میں ذکر تک نہیں ہوتا۔ شاید کتاب کی فروخت بڑھانے کے لیے اس دور میں بھی ایسا عمل کیا گیا ہو۔ واللہ اعلم

صوفیہ کے بارے میں ایک عمومی تاثر یہ بھی پایا جاتا ہے کہ وہ علم و حکمت سے نابلد ہوتے ہیں اور احکامِ شریعت سے بے بہرہ ہوتے ہیں، جب کہ حقیقتِ حال اس کے برعکس ہے۔ پروفیسر خلیق نظامی لکھتے ہیں:

''کشف المحجوب کی سطریں جن ہاتھوں نے لکھی ہیں اور فوائد الفواد کے جملے جس زبان سے بولے گئے ہیں، ان کے عظیم المرتبت محدثین ہونے میں شبہ کرنا علم و دیانت کے خلاف ہے۔ فوائد الفواد پڑھتے وقت تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ علمِ حدیث کا ایک ناپیدا کنار سمندر موجیں مار رہا ہے۔''[2]

اس عمومی تاثر کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عموماً مشائخ عظام تصنیف و تالیف کے عمل میں مشغول نہیں ہوا کرتے تھے۔ مشائخِ چشت کے بارے میں خاص طور پر پروفیسر نثار احمد فاروقی واضح کرتے ہیں:

''ابتدا میں اس خانوادے کے بزرگوں نے تصنیف و تالیف سے احتراز کیا، چناں چہ اگر حضرت نظام الدین نے یہ فرمایا ''ہمارے مشائخ میں سے کسی نے کوئی کتاب نہیں لکھی۔'' تو اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چشتی بزرگوں نے تصوف کے نظریاتی مباحث پر ایسی

کوئی تصنیف نہیں چھوڑی جیسی مرصاد العباد، قوت القلوب، کشف المحجوب، التعرف، عوارف المعارف یاآداب المریدین وغیرہ ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ چشتی بزرگوں نے تصوف کو سراسر ''حال'' سمجھااور اس میں ''قال'' کو دخل نہیں دیا۔ وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ تصوف تمام تر عمل ہے،اس کا فلسفے کی طرح شرح وبیان میں آنامشکل ہے اور جو کچھ قیدِ الفاظ میں آئے گا، وہ تصوف نہیں ہوگا۔''[3]

''قال''اور''حال'' کی اسی حقیقت کو فوائدالفواد میں ان الفاظ کے ساتھ واضح کیا گیا ہے۔ خواجہ حسن سجزی لکھتے ہیں:

''درین میان بندہ عرض داشت کرد کہ اگر پیری باشد دنیادار و اشاید کہ مریدان راازمحبتِ دنیا منع کند؟ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر بر لفظِ مبارک راند کہ اگر منع کند مؤثر نیاید زیراکہ لسانِ قال است ولسانِ حال؛ پند ونصیحت بہ لسانِ حال مؤثر آید چون لسانِ حال نہ باشد، لسانِ قال مؤثر نیاید۔''[4]

''اس درمیان بندے نے عرض کی کہ اگر پیر دنیادار ہو تو کیا اسے زیب دیتا ہے کہ مریدوں کو دنیا کی محبت سے روکے ؟خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر نے زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا کہ اگر روکے گا بھی تو اس کا اثر نہ ہوگا، کیوں کہ ایک لسانِ قال ہے اور ایک لسانِ حال۔ وعظ و نصیحت زبانِ حال سے مؤثر ہوتی ہے۔ لسانِ حال نہ ہو تو لسانِ قال مؤثر نہیں ہوتی۔''

مذکورہ سطور سے واضح ہوتا ہے کہ مشائخِ چشت قال پر حال کو ترجیح دینے کے سبب کتبِ تصوف کی تصنیف وتالیف میں مشغول نہیں ہوتے تھے۔

ملفوظاتی ادب میں برصغیر میں تیرہویں صدی عیسوی کے تناظر میں خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات بہ نام ''فوائدالفواد'' نمایاں حیثیت کے حامل ہیں، جب کہ دوسری جانب ترکیہ میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا مجموعہ ''فیہ مافیہ'' کے نام سے قابلِ ذکر ہے۔ فوائدالفواد اور فیہ مافیہ دونوں فارسی زبان میں تحریر کیے گئے ہیں۔ فوائدالفواد کا شمار مستند ترین ملفوظاتی ادب میں ہوتا ہے، کیوں کہ اس کے مرتب نے نہ صرف یہ کہ اسے خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس میں حاضر ہو کر تحریر کیا ہے، بلکہ گاہے بہ گاہے سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے اس مجموعہ کو ملاحظہ بھی فرمایا ہے اور ممکنہ تصحیح وترمیم کاالتزام بھی کیا ہے۔ فوائدالفواد کے مرتب امیر حسن سجزی رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن موقع دیکھ کر میں نے عرض کیا:

''از سالی زیادت باشد کہ در بندگیٔ مخدوم پیوستہ ام وہر بار کہ سعادتِ پای بوس حاصل شدہ است از لفظِ دُرر بار فوائد شنیدہ ام چہ وعظ و نصیحت وترغیب در طاعت وچہ حکایاتِ مشائخ واحوالِ ایشان از ہر باب کلماتِ روح افزای بسمع کاتب رسیدہ است وخواستہ ام کہ آن دستورِ حالِ این بے چارہ باشد بلکہ دلیلِ راہِ این شکستہ ،بقدرِ فہمِ خود دور قلم آوردہ ام، ہم بنا بران کہ بارہا بر لفظِ مبارک رفتہ است کہ کتابِ مشائخ و اشاراتِ ایشان کہ در سلوک راندہ اند در نظر می باید داشت پس ہیچ مجموعہ ورای انفاسِ جان بخشِ مخدومی نتواند بود، بر حکمِ این مقدمہ بندہ آنچہ از لفظِ مبارک شنیدہ است جمع کردہ است وتااین زمان اظہار نکردہ است منتظرِ فرمان است تاچہ فرمان صادر گردد!''[5]

''ایک سال سے زیادہ ہو گیا ہے کہ مخدوم کی غلامی میں داخل ہوں اور جب بھی قدم بوسی کی سعادت حاصل ہوئی ہے، زبانِ گوہر بار سے بیش تر فواید سنے ہیں، چاہے وعظ و نصیحت اور اطاعت کی ترغیب سے متعلق ہوں، خواہ حکایاتِ مشایخ اور ان کے احوال ہوں؛ ہر باب میں روح افزا کلمات لکھنے والے کے کان تک پہنچے ہیں۔ میری یہ خواہش ہے کہ یہ کلمات مجھ خاکسار کا دستور العمل بلکہ مجھ درماندہ کے لیے راستے کے رہنما بن جائیں۔ میں نے اپنی فہم کے مطابق ان کو قلم بند کر لیا ہے، اس لیے بھی کہ بارہا زبانِ مبارک پر آیا ہے کہ کتابِ مشایخ اور ان کے ارشادات، جو انھوں نے سلوک کے بارے میں فرمائے ہیں، نظر کے سامنے رکھنے چاہییں، لہٰذا کوئی بھی مجموعہ میرے مخدوم کے جان بخش ملفوظات سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ اس وجہ سے بندے نے جو کچھ بھی زبانِ مبارک سے سنا، جمع کر لیا اور اب تک اس کا اظہار نہیں کیا ہے، حکم کا منتظر ہوں کہ کیا فرمان صادر ہوتا ہے؟''

امیر حسن سجزی رحمۃاللہ علیہ مزید لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃاللہ علیہ نے فرمایا:

''آن کاغذہا کہ در قلم آوردہ ای بیاوردہ ای؟ بندہ عرض داشت کرد کہ آری آوردہ ام۔ فرمود کہ بیار! بندہ شش تای کاغذ کہ در قلم آوردہ بود بیاورد و بدستِ مبارکِ ایشان داد، بشرفِ مطالعہ ارزانی داشت و استحسان کرد و فرمود کہ نیکو بنشتہ ای و ہر جای کہ می رسید می گفت نیکو بنشتہ ای! یک دو جای بیاضی گذاشتہ بودم فرمود کہ بیاض چرا گذاشتہ ای؟ عرض داشت کردم کہ بقیہ آن حروف نیکو معلوم نکردہ بودم۔ شفقت فرمود بقیۂ ہر کلمہ بیان کرد تا آن کلمات تمام شد۔''[6]

''وہ کاغذ جن پر تم نے لکھا ہے، لائے ہو؟ بندے نے عرض کی: جی ہاں! لایا ہوں۔ ارشاد ہوا: پیش کرو۔ بندے نے چھے شیٹ کاغذ، جن پر لکھ چکا تھا، لا کر دستِ مبارک میں دے دیے، انھیں مطالعے کا شرف عطا فرمایا اور تعریف فرمائی۔ ارشاد ہوا کہ اچھا لکھا ہے اور جیسے جیسے پڑھتے جاتے، فرماتے جاتے: اچھا لکھا ہے۔ ایک دو مقامات پر میں نے جگہ خالی چھوڑ دی تھی۔ پوچھا: خالی جگہ کیوں چھوڑی ہے؟ عرض کی: یہ حروف اچھی طرح سمجھ میں نہیں آئے تھے۔ شفقت فرمائی اور ہر بات کا بقیہ حصہ بیان فرمایا، یوں وہ کلمات مکمل ہو گئے۔''

مذکورہ سطور سے واضح ہوتا ہے کہ فوائد الفواد کی استنادی حیثیت تسلیم شدہ ہے، کیوں کہ جس شخصیت کے ملفوظات کا یہ مجموعہ ہے، انھوں نے خود اس کا مشاہدہ کیا ہے اور مناسب ترمیم و تصحیح بھی فرمائی ہے۔

دوسری جانب مولانا روم رحمۃاللہ علیہ کے ملفوظات کا مجموعہ ''فیہ مافیہ'' کے عنوان سے موجود ہے، جسے اوّلین ملفوظاتی مجموعہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ ''فیہ ما فیہ'' کے متعلق مختلف اقوال پائے جاتے ہیں، جن کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

برصغیر پاک وہند کے محقق جناب مولانا شبلی نعمانی "فیہ مافیہ" کے متعلق رقم طراز ہیں:

"یہ ان خطوط کا مجموعہ ہے، جو مولانا نے وقتاً فوقتاً معین الدین پروانہ کے نام لکھے، یہ کتاب بالکل نایاب ہے، سپہ سالار نے اپنے رسالہ میں ضمناً اُس کا تذکرہ کیا ہے۔"[7]

پروفیسر نکلسن "فیہ مافیہ" کے بارے میں اپنی معلومات کا خلاصہ یوں پیش کرتے ہیں:

"جلال الدین نثر کے بھی ایک رسالہ کے مصنف ہیں، جس کا نام "فیہ مافیہ" ہے۔ یہ رسالہ تین ہزار شعروں پر مشتمل ہے۔ اس میں زیادہ تر معین الدین پروانہ سے رومی کا خطاب ہے۔ اس رسالہ کے قلمی نسخے نایاب ہیں۔"[8]

مذکورہ دونوں اقتباسات پیش کرنے کے بعد "فیہ مافیہ" کے مترجم جناب عبدالرشید تبسم اپنا نقطۂ نظر یوں پیش کرتے ہیں:

"فیہ مافیہ" کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں، یہ دراصل مولانا روم کے ملفوظات کا مجموعہ ہے۔ آپ کے تبحرِ علمی کی شہرت آپ کے حینِ حیات ہی میں دور دور تک پہنچ چکی تھی۔ نزدیک و دور سے اہلِ علم آپ کی مجلس میں کھنچے آتے اور اپنے اپنے مسائل پیش کرتے۔ مولانا ان مسائل پر روشنی ڈالتے، جس سے نہ صرف سائل ہی مطمئن ہوتا، بلکہ دوسرے حاضرینِ مجلس بھی بہت کچھ استفادہ کرتے۔ ان علمی مجالس میں مولانا جو ارشادات فرماتے، آپ کے صاحب زادہ سلطان بہاء الدین انھیں محفوظ کر لیتے۔ "فیہ مافیہ" انھی ارشاداتِ گرامی کا مجموعہ ہے۔ ان ملفوظات میں مولانا کا تخاطب زیادہ تر آپ کے ایک خاص مرید معین الدین پروانہ سے ہے، جو وزیرِ سلطنت تھے، لیکن ان کے علاوہ دوسروں کی طرف بھی روئے سخن ہے۔"[9]

جناب عبدالرشید تبسم واضح کرتے ہیں کہ سلطان بہاء الدین نے "فیہ مافیہ" کی تسوید ۴ رمضان المبارک ۱۱۷ ہجری کو مکمل کی، کیوں کہ "فیہ مافیہ" کے ایرانی ایڈیشن پر سلطان بہاء الدین کے ہاتھوں کی لکھی عبارت موجود ہے کہ وہ اس کتاب کی تسوید سے ۷۵۱ میں فارغ ہوئے۔ ایران میں شمسی سال شمار ہوتا ہے، اس لیے ہجری سال ۷۱۱ ہوا۔[10]

سطورِ بالا میں برصغیر اور ترکیہ کے تیرہویں صدی کے منتخب مشائخ کے ملفوظاتی ادب کی مختصر تاریخ پیش کی گئی ہے۔ ذیل میں دونوں مجموعۂ ملفوظات کی روشنی میں دعوتِ دین کے مظاہر پیش کیے جا رہے ہیں:

صحبتِ صالح سببِ ہدایت

صوفیہ کرام زبانی تبلیغ سے زیادہ عملی تبلیغ پر زور دیتے تھے، اسی مقصد کے حصول کے لیے وہ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ اس سے

یہ فایدہ حاصل ہوتا تھا کہ نیک صحبت کے اثرات سے انسان راہِ ہدایت پر گامزن ہو جاتا تھا۔ امیر حسن سجزی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص اپنے ہندو دوست کے ہم راہ حاضر ہوا اور عرض کی:

''این برادرِ من است۔ چون بر دو بنشستند خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر ازان غلام پرسید کہ این برادرِ تو ہیچ مَیل بہ مسلمانی دارد؟ او عرض داشت کرد کہ او را ہم بہ جہت این معنٰی بخدمتِ مخدوم آوردہ ام تا بہ برکتِ نظرِ مخدوم مسلمان شود۔ خواجہ ذکر اللہ بالخیر چشم پُر آب کرد و فرمود کہ این قوم را چندان بہ گفتۂ کسی دل نگردد اما اگر صحبتِ صالحہ بیابد امید باشد کہ بہ برکتِ صحبتِ او مسلمان شود۔''[11]

''یہ میرا بھائی ہے۔ جب وہ دونوں بیٹھ گئے تو خواجہ ذکر اللہ بالخیر نے اس شخص سے پوچھا کہ تمھارا یہ بھائی اسلام کی جانب بھی مائل ہے؟ اس نے عرض کی کہ اس کو اسی مقصد کے لیے مخدوم کی خدمت میں لایا ہوں تا کہ مخدوم کی نظروں کی برکت سے قبولِ اسلام کی دولت سے فیض یاب ہو جائے۔ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر کی آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے اور آپ نے پُرنم آنکھوں سے فرمایا کہ کسی کے کہنے سے اس قوم کا دل نہیں بدلا کرتا، البتہ اگر کسی صالح کی صحبت میسر آجائے تو امید ہوتی ہے کہ اس کی صحبت کی برکت سے مسلمان ہونے کی توفیق مل جائے۔''

اسی مجلس کے اختتام پر خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے یہودی پڑوسی کا تذکرہ بھی فرمایا، جس سے بھی زبانی تبلیغ کی بہ جائے عملی تبلیغ کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اس یہودی سے اسلام قبول کرنے کا کہا جاتا تو وہ یہ کہتا:

''چہ مسلمان شوم اگر اسلام آنست کہ بایزید داشت آن اسلام از من نیاید و اگر اینست کہ شما دارید مرا ازیں اسلام عار می آید!۔''[12]

''کون سا مسلمان بنوں؟ اگر اسلام وہ ہے جو بایزید نے اختیار کیا تو ایسا اسلام قبول کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے اور اگر اسلام وہ ہے جو تم لوگوں نے اختیار کیا ہے تو مجھے ایسے اسلام سے عار محسوس ہوتی ہے۔''

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صحبتِ صالح کی اہمیت کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے:

دم عارف نسیم صبح دم ہے — اسی سے ریشۂ معنٰی میں نم ہے

اگر کوئی شعیب آئے میسر — شبانی سے کلیمی دو قدم ہے[13]

صحبتِ صالح کے اثرات واضح کرتے ہوئے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں:

"للعشاق آلام فی قلوبهم لا یشفیها دواء، لا النوم ولا السیاحة ولا الاکل، لا یشفیها الا رؤیة الحبیب، فان لقاء الخلیل شفاء العلیل، وهذا صحیح الی حد ان المنافق لو جلس بین المؤمنین لآمن فی تلک اللحظة بتاثیر

ایمانهم ، کقوله تعالیٰ:[واذا لقوا الذین امنوا قالوا امنا] (البقرۃ:۲، ۱۴) فکیف الحال اذا جلس المؤمن مع المؤمن؟ فاذا کان لهذامثل هذا التاثیر فی المنافق ، فانظر الفوائد التی تترکها مجالسة المؤمنین فی المؤمن! انظرکیف یغدو الصوف بمجاورة العاقل بساطا منقشا غایة فی الروعة ؟ وکیف یغدو التراب بمجاورة العاقل قصرا رائعا!فاذا ترکت صحبة العاقل فی الجمادات مثل هذا التاثیر، فتامل ما تترک صحبة المؤمن فی المؤمن من اثر! فبصحبة النفس الجزئیة والعقل المختصر وصلت الجمادات الی هذه المرتبة۔"[14]

"عشاق کے دلوں میں ایسے آلام ہیں، جنھیں کسی دوا سے شفا نصیب نہیں ہوتی، نہ ہی ان آلام کو سونے، سیر و سیاحت کرنے اور کھانے پینے سے شفا نصیب ہوتی ہے۔ ان آلام کی شفا فقط دیدارِ محبوب میں مخفی ہے، کیوں کہ دوست کی ملاقات بیماروں کے لیے باعثِ شفا ہے۔ یہ اس حد تک درست ہے کہ منافق اگر مؤمنوں کے درمیان بیٹھ جائے تو ان چند لمحات کے لیے وہ ان کے ایمان کی تاثیر کے سبب مومن ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: "اور جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے" تو اس وقت کیا کیفیت ہو گی، جب مومن، مومن کے ساتھ بیٹھے گا۔ جب منافق کو مومن کی صحبت کے سبب یہ تاثیر میسر ہوتی ہے تو ذرا ان فوائد کی جانب غور و فکر کر جو مومنین کی مجلس سے کسی مومن کو حاصل ہوتے ہیں۔ ذرا تفکر کر کہ روئی کسی عاقل کی صحبت سے ایک منقش بساط بن جاتی ہے اور کسی عقل مند کی صحبت سے مٹی بلند و بالا محل کا روپ اختیار کر لیتی ہے۔ جب کسی عقل مند کی صحبت جمادات میں بھی اس قسم کے اثرات چھوڑ دیتی ہے، تو غور و فکر کر کہ مومن کی صحبت کسی مومن میں کس قدر مثبت اثرات مرتب کرے گی۔ واضح ہوا کہ کسی شے کی جزئی صحبت اور تھوڑی سی عقل سے جمادات کو یہ مقام و مرتبہ حاصل ہوا۔"

سطورِ بالا سے واضح ہوا کہ صوفیۂ برصغیر و ترکیہ دونوں کے ہاں حصولِ ہدایت کے لیے کسی صالح کی صحبت از حد ضروری ہے۔ صحبتِ صالح کے طفیل انسان یک قدم میں کئی منازلِ معرفت طے کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

اعمالِ صالحہ کی ترغیب

صوفیہ کرام اپنی مجالس میں حاضر ہونے والوں کو گاہے بہ گاہے اعمالِ صالحہ کی ترغیب بھی دلاتے رہتے تھے، جو از خود دعوتِ دین کا اہم مرحلہ ہونے کے ساتھ ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی کا سبب اور خیرِ امت کی علامت بھی ہے۔ ایک مجلس میں خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے دورانِ گفت گو یہ اشعار ذکر فرمائے، جن سے اعمالِ صالحہ کی ترغیب کا پہلو واضح ہوتا ہے:

اگرچہ ایزد دہد ہدایتِ دین | بندہ را اجتہاد باید کرد
نامہ کان را بہ حشر خواہی خواند | ہم ازین جا سواد باید کرد[15]

"دین کی ہدایت اگرچہ خدائے بزرگ و برتر کی جانب سے ہوتی ہے، تاہم بندے کو بھی جدوجہد کرنی چاہیے۔ وہ نامۂ اعمال جو تم نے میدانِ حشر میں پڑھنا ہے، اس کی مشق یہیں سے کر لینی چاہیے۔"

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات سے واضح ہوتا ہے کہ مقام و مرتبہ کے حصول کے لیے حسنِ عمل اور جہدِ مسلسل از حد ضروری ہے۔ ایک مجلس میں آپ نے فرمایا:

"ہر کہ بود بہ حسنِ عمل بہ مقامی رسید، اگرچہ فیضِ ایزدی نازل است، اما جد و جہد خود باید کرد۔"[16]

"جو بھی تھا، حسنِ عمل سے کسی مقام تک پہنچا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کا فیض تو پہنچتا ہی ہے، لیکن ہمیں خود بھی جدوجہد کرنی چاہیے۔"

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ آپ عمل پر ابھارتے رہتے تھے اور اسی کو بنیاد قرار دیتے تھے۔ "فیہ مافیہ" کی سطور سے اس حقیقت کو آشکار کیا جا سکتا ہے کہ بارہا مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے علم سے زیادہ عمل کی تبلیغ کی اور اسی کو حرزِ جان بنانے کا درس دیا۔ آپ فرماتے ہیں:

"قال لی الامیر بروانه: اصل الامر هو العمل فاجبتُ این اهل العمل وطلاب العمل حتی اریهم العمل؟ الآن انت تنشد الکلام وقد املت اذنک لکی تسمع شیئا واذا انا لم اتکلم فانک تمل۔ صر طالب عمل لکی اظهر لک العمل! انا ابحث فی العالم کله عن رجل لکی اظهرله العمل ولاننی لم اظفر بمشترٍ للعمل بل للکلام فقط، شغلت نفسی بالکلام، وماذا تعرف انت عن العمل، عند ما لا تکون عاملا؟ لا یمکن معرفة العمل الا بالعمل ، ولا یمکن فهم العلم الا بالعلم، والصورة بالصورة والمعنیٰ بالمعنیٰ وما دام انه لیس ثمة مسافر واحد فی هذا الطریق وهو خال، کیف یجرون اذا کنا نحن فی الطریق وفی العمل ؟

والخلاصة ان هذا العمل لیس صلاة وصیاما، فهذه صورة العمل، العمل معنی فی الباطن ، ومهما یکن ، فانه منذ زمان آدم الی زمان المصطفیٰ ﷺ لم تکن الصلاة والصوم علیٰ هذه الصورة التی نعرفها ، اما العمل فقد کان کذلک وهکذا فهذه صورة العمل ، العمل معنی داخل داخل الانسان، مثلما تقول: الدواء عمل عمله، ولکن هذه لیست صورة العمل، بل هی معناه ومثلما یقولون: ذلک الرجل عامل فی مدینة کذا وهم لا یرون شیئا من الصورة بل یدعونه عاملا تبعا للاعمال المتصلة به۔

وهکذا فان العمل لیس هو هذا الذی فهمه الناس علی الجملة فهم یعتقدون ان العمل هو هذا الظاهر ولکن اذا ادی المنافق تلک الصورة للعمل فانه لا یفیده البتة لان معنی الصدق والایمان غیر موجود فیه۔"[17]

"امیر پروانہ نے مجھ سے کہا کہ اصل چیز عمل ہے۔ میں نے جواب دیا: اہلِ عمل اور طالبِ عمل کہاں ہیں، تاکہ میں انھیں عمل کر کے دکھاؤں؟ تُو ابھی باتیں سننے کا طالب ہے، تُو کان لگائے ہوئے ہے کہ باتیں سنے اور اگر میں باتیں نہ کروں تو تُو ملول ہو جاتا ہے۔ تُو عمل کا

طالب بن، تاکہ میں تجھے کچھ عمل کرکے دکھاؤں۔ مجھے دنیا میں ایسے مردِ جری کی ضرورت ہے، جسے میں عمل دکھا سکوں، لیکن میں عمل کا خریدار تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا، بلکہ گفتار کا خریدار مل جاتا ہے۔ میں گفتار میں مشغول ہو جاتا ہوں۔ تُو عمل کو کیا جانے، جب کہ تُو عامل نہیں۔ عمل کو عمل سے سمجھا جا سکتا ہے اور علم کو علم سے، صورت کو صورت سے اور معنٰی کو معنٰی سے۔ جب یہ راستہ ہی خالی ہے اور اس میں کوئی راہ رَو نہیں۔ تو اگر ہم اس راہ گزر میں ہیں اور عامل ہیں تو اس سے کیا؟

آخر نماز روزہ تو عمل نہیں، یہ تو عمل کی ظاہری صورت ہے۔ عمل روحانی ہے اور وہ باطن میں ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر حضور سرورِ کائنات ﷺ کے وقت تک نماز، روزہ موجودہ صورت میں نہ تھے اور عمل تھا، لٰہذا یہ عمل کی صورت ہوئی۔ عمل دراصل روحانی ہے اور وہ انسان کے باطن میں ہے۔ یہ ایسا ہی ہے کہ تُو کہتا ہے کہ دوانے اپنا عمل کیا، اب یہاں عمل سے مراد عمل کی صورت نہیں، اس سے معنویت مراد ہے۔ جیسے لوگ یہ بھی جملہ بولتے ہیں کہ وہ آدمی فلاں شہر میں عامل ہے۔ وہ کسی چیز کی صورت نہیں دیکھتے، بلکہ جو عامل کے ساتھ اعمال متصل ہوتے ہیں، ان کی وجہ سے اتباعاً اسے عامل کہا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی واضح ہے کہ عمل وہ نہیں ہے، جسے مجموعی طور پر لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ عمل کا تعلق ظاہر سے ہے، لیکن جب منافق عمل کی اسی صورت کی ادائیگی کرے تو اسے کوئی فائدہ نصیب نہیں ہوتا، کیوں کہ اس میں صدق اور ایمان کی حقیقت موجود نہیں ہوتی۔"

مذکورہ اقتباس میں حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف عمل کی اہمیت کو اجاگر فرما رہے ہیں، بلکہ عمل کی حقیقت سے بھی آگاہ فرما رہے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ نکات سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اگرچہ ظاہر پر بھی عمل کا اطلاق ہوتا ہے، تاہم اصل میں عمل کا تعلق باطن سے ہے، گویا یہ عمل کی باطنی کیفیت یعنی خشوع و خضوع کی جانب اشارہ ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ملفوظات کے ذریعے واضح فرمایا ہے کہ طویل گفتگو کی نسبت مختصر عمل زیادہ مؤثر اور مفید ہے۔ اس ضمن میں عمل کی ترغیب دیتے ہوئے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی مثال پیش کی۔ آپ نے فرمایا:

"عند ما اصبح عثمان رضی الله عنه خلیفة ذهب الی المنبر۔ کان الناس ینتظرون ماذا سیقول، صمت ولم یقل شیئا، وکان ینظر الی الناس ، فاستبدت بهم حال من الوجد افقدتهم القدرة علی الخروج، ولم یعرف الواحد منهم این یجلس الآخر، حتی ان مئة تذکرة ووعظ وخطبة لیس فی مقدورها ان تولد فی انفسهم مثل هذه الحال الرائعة۔ وحصلت لهم الفوائد وکشفت لهم الاسرار التی لاتحصل بکثیر من العمل والوعظ۔ ظل ینظر الیهم هذه النظرة حتی آخر المجلس دون ان ینبس ببنت شفة وعند ما هم بالنزول قال: انکم الی امام فعال احوج منکم الی امام قوال وقد قال حقا۔ اذا کان المراد من القول هو الفائدة والرقة وتبدیل الاخلاق، فان ذلک قد حصل دون قول اضعاف ما حصل بالقول۔"[18]

""حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب خلیفہ منتخب ہوئے تو منبر پر چڑھے، خلقت منتظر تھی کہ آپ کیا فرماتے ہیں۔آپ خاموش ہو گئے اور کچھ نہ کہا۔آپ نے خلقت پر نظر ڈالی تو اس پر وجد طاری کر دیا۔ان کی یہ کیفیت ہو گئی کہ وہ باہر جانا بھول گئے اور کسی کو خبر نہ تھی کہ کون کہاں بیٹھا ہے۔اب ظاہر ہے کہ سو تذکرہ، وعظ اور خطبہ سے بھی ان پر یہ اچھی حالت طاری نہ ہوتی۔انھیں فائدے حاصل ہوئے اور ان پر ایسے اسرار منکشف ہوئے، جو کتنے ہی عمل اور وعظ سے نہ ہوئے تھے۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجلس کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک یونہی نظر کی اور کوئی بات نہ فرمائی۔جب آپ نے منبر سے اترنا چاہا تو فرمایا: ""زیادہ بولنے والے امام سے زیادہ کرنے والا امام تمھارے لیے بہتر ہے۔""آپ نے واقعی حقیقت بیان فرمائی، کیوں کہ گفتگو کا مقصد فوائد کا حصول، رقت طاری ہونا اور اخلاق کا تبدیل ہونا ہے اور یہ تمام فوائد گفتگو کیے بغیر ہی کئی گنا زیادہ حاصل ہو گئے کہ گفتگو کی حاجت ہی نہ رہی۔""

مذکورہ اقتباس میں مولانا روم علیہ الرحمۃ زیادہ گفتگو کی بجائے عمل کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔آپ واضح فرماتے ہیں کہ عمل سے ایسے عظیم فوائد کا حصول ممکن ہوتا ہے، جو کئی طویل نشستوں میں کی جانے والی گفتگو سے بھی حاصل نہیں ہوتے، لہٰذا گفتار کا غازی بننے کی بجائے کردار کا غازی بننے کی ضرورت ہے۔

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ عمل کو لطفِ ایزدی پر محمول کرتے ہیں اور اسے عنایاتِ خداوندی میں شمار کرتے ہیں۔آپ سے سوال کیا گیا کہ عمل توفیق اور خیر کے ذریعے ہوتا ہے یا خدائے بزرگ و برتر کی مہربانی سے؟آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا:

"عند مایعمل العبد عملا ایاتی التوفیق والخیر من العمل ام یکون عطاء من الحق؟ اجاب مولانا: انه عطاء من الحق وتوفیق من الحق لکن الحق تعالیٰ بسبب لطفه الواسع یعزوهما کلیهما الی العبد، اذ یقول: کلاهما لک۔"[19]

""عمل خدا کی مہربانی اور توفیق کا نتیجہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے انتہائی لطف و کرم سے دونوں کی نسبت انسان کی جانب کر دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ دونوں تیری ہی جانب سے ہیں۔""

مذکورہ سطور میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ عمل کو اللہ تعالیٰ کی لطف و عنایت کا شاخسانہ قرار دیتے ہیں۔اس سے آپ کا مقصد و مدعا عمل کی ترغیب کے ساتھ ساتھ بارگاہِ ربوبیت سے عمل کی توفیق طلب کرنا بھی ہے،اس مقصد کے لیے بہ طور ترغیب آپ رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کی وسیع رحمت کی تمثیل بھی پیش کرتے ہیں۔

سطورِ بالا میں پیش کیے گئے اقتباسات کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ صوفیۂ ترکیہ اور برصغیر دونوں کے ملفوظاتی ادب میں گفتار سے زیادہ کردار کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔ان مشائخ کے نزدیک عمل ہی نجات کا سبب اور ذریعہ ہے اور یہی بلندئ درجات کی نوید ہے۔راہِ سلوک و معرفت میں جہدِ مسلسل کو ان کے ہاں اولیت کا درجہ حاصل تھا۔ان کا خانقاہی نظام عملِ صالح کی عملی تصویر تھی اور وہ اپنے مریدین کو بھی مسلسل عمل کی تلقین کرتے رہتے تھے۔

تلقینِ توبہ

صوفیہ کرام رحمۃ اللہ علیہم اپنی مجالس میں عمالِ صالحہ کی ترغیب کے ساتھ ساتھ گناہوں کی بخشش و مغفرت کے لیے تلقینِ توبہ بھی فرمایا کرتے تھے، کیوں کہ

توبہ سے نہ صرف گناہ مٹ جاتے ہیں بلکہ نیکیوں کے جذبات بھی فروغ پاتے ہیں۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے فرمودات سے واضح ہوتا ہے کہ صدقِ دل سے توبہ کرنے والے کا مقام و مرتبہ متقی کے برابر ہوتا ہے۔ امیر حسن سجزی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

"آن روز بعد از ان که بر صلوٰۃِ مکتوبات و صلوٰۃِ چاشت و شش رکعت بعد صلوٰۃ المغرب وصوم ایامِ بیض ملازمت فرمود بر لفظِ مبارک راند که تائب با متقی بر ابر است زیران که متقی آنست که مثلاً در ہمه عمرِ خویش شرب نه کرده باشد یا معصیتی بوجود نیاورده وتائب آنست که گناه کرده باشد و انابت آورده، بعد ازان فرمود که ہر دو بر ابر باشند به حکمِ این حدیث که"اَلْتَّائِبُ مِنَ الْذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ"و این معنی ہم درین محل فرمودند که آن که معصیت کرده باشد واز معصیت ذوقہا گرفته چون تائب شود وطاعت کند ہر آئینه از طاعت نیز ذوقہا گیرد وممکن است که یک ذره ازان راحت که در طاعت یابد آن ذره خرمن ہای معاصی را بسوزد۔"[20]

"اس روز فرض نمازوں، چاشت اور اوابین کے چھے نوافل اور ایامِ بیض کے روزوں کی تاکید کے بعد زبان مبارک سے ارشاد ہوا کہ تائب، متقی کے برابر ہے، کیوں کہ متقی تو وہ ہوتا ہے جس نے ساری عمر کبھی شراب نہ پی ہو یا اس سے کسی گناہ کا صدور نہ ہوا ہو، جب کہ تائب وہ ہوتا ہے کہ گناہ کیا، پھر توبہ کر لی۔ اس کے بعد فرمایا کہ دونوں اس حدیث کے مطابق برابر ہیں کہ "گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے، گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔" یہ تشریح بھی اس ضمن میں فرمائی کہ جس نے گناہ کیا اور گناہ سے خوب ذوق پایا، جب وہ توبہ کرتا ہے اور اطاعت کرتا ہے تو اس اطاعت میں بھی خوب ذوق پاتا ہے اور عین ممکن ہے کہ اس راحت کا ایک ذرہ جو اسے اطاعت میں حاصل ہو، وہ ذرہ گناہوں کے کھلیان کے کھلیان جلا ڈالے۔"

حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ علیہ نے توبہ کی تلقین کے ساتھ ساتھ لغزش کو سات اقسام میں منقسم بھی فرمایا اور اس طرح سے دعوتِ دین اور اصلاحِ نفس کی ذمہ داری بہ طریقِ احسن نبھائی کہ ہر شخص ذرا سی غور و فکر کے بعد ان کلمات کے حصار میں گم ہو کر اپنے نفس کو جھنجھوڑنے پر راضی ہو جاتا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مجلس میں راہِ سلوک کی سات لغزشوں کا ذکر کرتے ہوئے جو اسلوبِ اصلاح اختیار کیا، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ جامعِ ملفوظات امیر حسن سجزی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"بعد ازان لغزشِ این راہ را بر ہفت قسمت بیان فرمود اعراض، حجاب، تفاصل، سلبِ مزید، سلبِ قدیم، تسلی، عداوت۔ این قسمت را تمثیل و تفصیل فرمود کہ دو دوست باشند عاشق و معشوق مستغرقِ محبتِ یک دیگر، دین میان اگر از عاشق حرکتی یا سکنتی یا قولی یا فعلی در وجود آید کہ نہ پسندیدۂ دوست او بود آن دوست از وا اعراض کند یعنی روی بہ گرداند پس عاشق را واجب است کہ در حال باستغفار مشغول

شود و بہ معذرت پیوند و ہر آئینہ دوستِ اوا ز و راضی شود آن اندک اعراضی کہ بودہ باشد ناچیز گردد، و اگر آن محب ہمبران خطا اصرار کند و عذرِ آن نخواہد آن اعراض بہ حجاب کشد معشوق حجابی در میان آرد، ہمین کہ خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر در تمثیلِ حجاب بدین سخن رسیدہ دست بالا کرد و آستین پیشِ روی مبارک داشت و فرمود مثلاً ہم چنین حجابی شود میانِ محب و محبوب! پس محب را واجب آید کہ در اعتذار کوشد و بہ توبہ گراید، و اگر در ان باب ہم آہستگی کند آن حجاب بہ تفاصل کشد، چہ شود یعنی آن دوست از و جدائی گزیند، پس اول اعراضی بیش نبود، چون عذر نخواست حجاب شد و چون ہمبران ناپسندیدگی مصر ماند تفاصل شد، پس اگر ہم آن دوست مستغفر نشود سلبِ مزید شود، مزیدی کہ او را بود در اوراد و ذوقِ طاعت و عبادت و غیرِ آن آن مزید از و بازستانند، پس اگر ہم عذرِ آن نخواہد و بران بطالت بماند سلبِ قدیم شود طاعتی و راحتی کہ پیش از مزید داشتہ است آن را ہم بستانند، پس اگر اینجا ہم در توبہ تقصیری رود بعد از ان تسلی شود، تسلی چہ باشد یعنی دوستِ او را بر جدائی اُو دل بیارا ید، پس اگر باز ہم در انابت اہمال رود عداوت پیدا شود و آن محبت کہ بودہ باشد بہ عداوت مبدّل شود۔"[21]

"اس کے بعد اس راہ کی لغزش کی سات اقسام بیان فرمائیں؛ اعراض، حجاب، تفاصل، سلبِ مزید، سلبِ قدیم، تسلی، عداوت۔ ان اقسام کی تمثیل و تفصیل میں فرمایا کہ جیسے دو دوست ہوں؛ محب اور محبوب، ایک دوسرے کی محبت میں ڈوبے ہوئے۔ اس درمیان اگر محب سے کوئی حرکت، کام، بات یا فعل ایسا سرزد ہو جائے جو اس کے دوست کی ناپسندیدگی کا سبب ہو تو وہ دوست اس سے اعراض کرتا ہے۔ یعنی منہ موڑ لیتا ہے، لہٰذا محب پر واجب ہے کہ اسی وقت استغفار میں مشغول ہو جائے اور معذرت کا طلب گار رہے، یقیناً اس کا دوست اس سے راضی ہو جائے گا۔ تھوڑی سی بے توجہی جو ہوئی تھی، جاتی رہے گی اور اگر وہ محب اس خطا پر اصرار کرے گا اور عذر پیش نہیں کرے گا تو وہ اعراض، حجاب تک پہنچ جائے گا۔ محبوب ایک حجاب درمیان میں لے آئے گا، جیسے ہی خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر حجاب کی تمثیل میں اس بات پر پہنچے، ہاتھ بلند کیا اور آستین چہرہ مبارک کے سامنے کر لی اور فرمایا کہ مثلاً اس طرح کا حجاب محب اور محبوب کے درمیان ہو جائے گا۔ محب پر واجب ہو گا کہ معذرت کی کوشش میں رہے اور توبہ کرے۔ اگر اس معاملے میں سستی کرے گا تو وہ حجاب، تفاصل میں بدل جائے گا۔ پھر یہ ہو گا کہ وہ دوست اس سے جدائی اختیار کر لے گا۔ پس شروع میں اعراض سے زیادہ نہیں تھا، چوں کہ معافی کا طلب گار نہیں ہوا، حجاب ہو گیا اور جب اس ناپسندیدگی پر اصرار کیا تو تفاصل ہو گیا۔ اگر اس کے بعد بھی وہ دوست معافی نہ مانگے تو سلبِ مزید ہو گا، یعنی اس کے اوراد اور اطاعت و عبادت کے ذوق میں جو اضافہ تھا، وہ چھن جائے گا۔ اگر اس پر بھی عذر نہ کرے اور اس ہٹ دھرمی پر ڈٹا رہے تو سلبِ قدیم ہو گا، کہ وہ اطاعت اور وہ راحت جو اضافے سے پہلے میسر تھی، وہ بھی چھن جائے گی۔ اگر یہاں بھی توبہ میں کسر رہ جائے تو اس کے بعد تسلی ہو گی۔ تسلی کسے کہتے ہیں؟ یعنی اس کے دوست کا دل اس کی جدائی پر مطمئن ہو جاتا ہے، پس اگر پھر بھی توبہ میں سستی ہو تو عداوت پیدا ہو جاتی ہے اور محبت، عداوت میں بدل جاتی ہے۔"

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے خطبات میں توبہ کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ ایک خطبہ میں نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کی وضاحت میں لفظ سنت کی تشریح کرتے ہوئے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''سنتِ من این است کہ چون دوستانِ من راہ غلط کنند و پای در خارستان معصیت نہند، اثر زخم خار بیابند، بستیزہ ہم در آن خار زار نداوند کہ ''اللجاج شوم''۔''[22]

''میری سنت یہ ہے کہ جب لوگ اعمالِ سیئہ کا ارتکاب کریں اور خارستانِ معصیت میں پاؤں زخمی کر بیٹھیں تو اس وقت توبہ کا راستہ اختیار کریں اور ندامت کو اپنا شعار بنائیں اور اعمالِ سیئہ پر اصرار نہ کریں، کیوں کہ اعمالِ سیئہ پر اصرار کرنے والا بد بخت ہوتا ہے۔''

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ سورۃ التوبۃ کی آیت

'' يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى١ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ١ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۰۰۷۰ ''[23]

کی تفسیر میں اسیرانِ بدر کے ضمن میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا واقعہ انتہائی شرح وبسط کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اس ضمن میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"والآن فی هذه الحال التی انتم فیها اسری، لا تقطعوا الامل من حضرتی، لعلی آخذکم بیدی؛اِنَّهٗ لَا يَاْيْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ۰۰۸۷[24] والآن یقول الحق تعالٰی : ایها الاسریٰ اذا رجعتم عن مذهبکم الاول، ونظرتم الیّ فی خوف ورجاء ورایتم انفسکم فی احوالکم جمیعا مقهورین لی فساحررکم من هذا الخوف وکل مال اخذ منکم فی الحرب وکل ما اصابه التلف ساعیده الیکم بل اضعاف ذلک وخیرا من ذلک وساعفو عنکم، واجمع لکم سعادة الآخرة وسعادة الدنیا۔"[25]

''اب کہ تم اسیری کی حالت میں ہو، میرے حضور سے امید منقطع نہ کرو، تاکہ میں تمھاری دست گیری کروں۔ بے شک اس کی بارگاہ سے صرف کافر قوم ہی مایوس ہوتی ہے۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے اسیرو! اگر تم اپنے پہلے مذہب سے تائب ہو جاؤ اور خوف اور امید کی حالت میں میری طرف دیکھو اور ہر حالت میں اپنے آپ کو مقہور سمجھو تو میں تمھیں اس خوف سے نجات دلا دوں گا اور تمھارا ہر وہ مال جو غنیمت بنالیا گیا ہے اور ہر وہ چیز جو ضائع ہو چکی ہے، وہ سب کچھ تمھیں عطا کر دوں گا، بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ اور بہتر عطا کروں گا اور اس کے ساتھ تمھیں معاف فرما دوں گا اور تمھارے لیے آخرت اور دنیا کی سعادت و خوش بختی کو جمع کر دوں گا۔''

گویا مولانا روم علیہ رحمۃ کے فرمان کے مطابق توبہ کرنے کی صورت میں سابقہ تمام نعمتیں جو ضائع ہو چکی ہیں، بارگاہِ ربوبیت سے ان کا نعم البدل عطا ہوتا ہے اور

مزید ان گنت نعمتوں سے بھی نواز دیا جاتا ہے۔ اگر یہ معاملہ کفار کے ساتھ ہے، تو مسلمانوں کے ساتھ اس کی رحمت و عاطفت کا انداز اس سے بھی بڑھ کر ہوگا۔ توبہ کے ذریعے چوں کہ باطنی تطہیر کا عمل انجام پاتا ہے، اس لیے مولانا روم رحمۃاللہ علیہ انسان کو باطن کی تطہیر کی تاکید کرتے ہیں اور ایک تمثیل کے ذریعے بیان فرماتے ہیں:

"آدمی ایک بہت بڑے پیالے یا برتن کی طرح ہے، اس کو باہر سے غسل دینا لازم اور اندر سے غسل دینا لازم تر ہے۔ اس کے ظاہر کا غسل فرض اور باطن کا غسل فرض تر ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ پاک برتن کے سوا شراب کہیں نہیں ڈالتے، لہٰذا اس نے برتن کی تطہیر کا حکم دیا، کیوں کہ محلِ شراب اس کا باطن ہے، نہ کہ ظاہر۔ ہر وہ شخص جس کا نفس مر گیا اور وہ اخلاقِ ذمیمہ سے پاک ہو گیا، وہ اللہ تعالیٰ سے جا ملا۔"[26]

گویا آپ رحمۃاللہ علیہ کے نزدیک باطنی تطہیر قربِ خداوندی کا ذریعہ ہے، اس لیے آپ ظاہری تطہیر کے ساتھ ساتھ باطنی تطہیر پر زور دیتے ہیں۔

مذکورہ بالا اقتباسات سے واضح ہوا کہ صوفیہ کا تعلق خطۂ بر صغیر سے ہو یا ترکیہ سے؛ دونوں کے ہاں معرفتِ الٰہی کے حصول کے لیے توبہ کا بنیادی کردار ہے۔ ہر دو خطوں کے مشائخ توبہ کو گناہوں کے مٹنے، تزکیۂ نفس، باطنی تطہیر اور قربِ خداوندی کا ذریعہ گردانتے ہیں اور اپنے متوسلین کو اسی کی تلقین کرتے ہیں۔

عبادت و بندگی اور خشوع و خضوع کی تلقین کو متضمن ملفوظات

صوفیہ کرام رحمۃاللہ علیہم ذوقِ عبادت سے سرشار ہوا کرتے تھے اور وہ اپنے مریدین کو بھی اسی ذوقِ عبادت کو اختیار کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ ان کے ہاں فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ نوافل کی کثرت کا بھی اہتمام ہوتا تھا، جو اس امر کی پختہ دلیل ہے کہ طریقت، شریعت سے ہم آہنگ ہے۔ نوافل کی کثرت اس بات کی بھی قطعی دلیل ہے کہ صوفیہ کرام سنتِ نبوی ﷺ پر عامل ہوا کرتے تھے اور ہر معاملے میں رسولِ اکرم ﷺ کی اطاعت کو مقدم رکھا کرتے تھے۔ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃاللہ علیہ مریدین کی اصلاح کے لیے انھیں گاہے بہ گاہے فرائض کے ساتھ ساتھ نوافل کی تلقین بھی کیا کرتے تھے، کیوں کہ نوافل قربِ خداوندی کا ذریعہ ہیں۔ امیر حسن سجزی رحمۃاللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حاضری کی سعادت حاصل ہوئی تو حضرت خواجہ نے دریافت فرمایا:

"بین العشائین شش رکعت اوّابین که گفته ام می گزاری؟ گفتم آری۔ بعد ازاں از روزۂ ایام بیض پرسید که می داری؟ گفتم می دارم۔ بعد ازان از نمازِ چاشت پرسید که می گزاری؟ گفتم می گزارم۔ بعد ازان چهار رکعت صلوٰة السعادت فرمود۔ آن روز این سعادت بر سعادتِ دیگر ضم شده۔"[27]

"مغرب عشاء کے درمیان جو چھے رکعت نماز اوابین بتائی ہے، پڑھتے ہو؟ عرض کی: جی ہاں! اس کے بعد ایامِ بیض کے روزوں کے بارے میں پوچھا کہ رکھتے ہو؟ میں نے عرض کی: رکھتا ہوں۔ اس کے بعد نمازِ چاشت کے بارے میں دریافت فرمایا، ادا کرتے ہو؟ میں نے عرض کی: ہاں ہاں۔ اس کے بعد چار رکعت صلوٰة السعادت کا حکم فرمایا۔ اس روز یہ سعادت دوسری سعادت کے ساتھ مل گئی۔"

حضرت سلطان المشائخ رحمۃاللہ علیہ نماز میں حضوریٔ قلب کی دعوت بھی دیا کرتے تھے۔ نماز میں خشوع وخضوع کے ضمن میں ایک مجلس میں آپ رحمۃاللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

"اوّلِ حضور آنست کہ مصلی آنچہ خواند معانیٔ آن بر دل بگذراند۔"[28]

"نماز کی حضوری کی ابتداء یہ ہے کہ نمازی جو کچھ پڑھے، اس کے معانی کو دل پر طاری کرے۔"

خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃاللہ علیہ واضح فرماتے ہیں کہ نماز میں ادا کیے جانے والے حروف کے معانی کا فہم اور ان کی حقیقت کا تصور ہی در حقیقت خشوع و خضوع کی علامت ہے۔

خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃاللہ علیہ نے اپنے ملفوظات کی روشنی میں دو قسم کی طاعات کا ذکر کیا اور ہر دو کو اختیار کرنے کی تلقین کی۔ آپ رحمۃاللہ علیہ نے فرمایا:

"طاعتی است لازمه وطاعتی است متعدیه۔ طاعتِ لازمه آنست که منفعتِ آن ہمان یک نفس طاعت کننده را باشد وآن نماز است وروزه و حج و اوراد و تسبیحات و آنچه بدان ماند، اما طاعتِ متعدیه آنست که ازو منفعتی وراحتی بدیگری رسد با نفاق واشفاق وبدانچه دسترس شود لطف در حقِ غیری کند، آن را طاعتِ متعدیه گویند وثواب ِآن بے حد و اندازه است، و در طاعتِ لازمه اخلاص می باید تا قبول شود اما درطاعتِ متعدیه ہر گونه که باشد و بکند مثاب باشد۔"[29]

"اطاعت کی ایک قسم لازمی ہے اور اطاعت کی ایک قسم متعدی ہے۔ لازمی تو وہ ہے کہ جس کا فائدہ اسی ایک اطاعت کرنے والے کی ذات کو پہنچتا ہے، نماز، روزہ، حج اور اوراد و تسبیحات وغیرہ اسی قسم سے تعلق رکھتی ہیں۔ اطاعتِ متعدی وہ ہے کہ جس سے دوسروں کو فائدہ اور راحت پہنچے، خواہ وہ خرچ کرنے کے ذریعے سے ہو، شفقت برتنے کے ذریعے سے ہو یا حتی المقدور دوسروں کے حق میں مہربانی کرنے کے ذریعے سے ہو۔ اسے اطاعتِ متعدیہ کہتے ہیں اور اس کا ثواب بے حد و بے حساب ہے۔ اطاعتِ لازمہ میں اخلاص ہونا چاہیے، تاکہ قبول ہو سکے، جب کہ اطاعتِ متعدیہ جس طرح کی بھی ہو اور جیسے بھی کی جائے، اس کا ثواب ہے۔"

گویا آپ واضح فرماتے ہیں کہ اطاعت، اخلاص کے بغیر کامل نہیں ہوتی، اخلاص کی اسی کیفیت کا نام خشوع وخضوع ہے۔

حضرت مولانا روم رحمۃاللہ علیہ بندگی کو قربِ الٰہی کا سبب قرار دیتے ہیں۔ آپ رحمۃاللہ علیہ نے ایک مجلس میں فرمایا:

"الحق تعالٰی منزه عن الاقرباء " لَمْ يَلِدْ١ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ٣ۙ "[30] لا يجد انسان طريقا اليه الا بالعبودية " وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ١ "[31] من غير الممكن ان تقول عن الشخص الذى وجد طريقا الى الحق كان اقرب منى نسبا الى الله واكثر منى معرفة واكثر منى ارتباطا به وهكذا فان القرب من الحق لا يتيسر الا بالعبودية، هو المعطى على الاخلاق۔"[32]

''اللہ تعالیٰ اقربا سے منزّہ ہے، ''نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے''، عبودیت کے بغیر اس کی بارگاہ تک رسائی ممکن نہیں ہے، ''اور اللہ بے نیاز ہے، جب کہ تم محتاج ہو''، یہ غیر ممکن ہے کہ کہا جائے جس شخص کو قربِ خداوندی حاصل ہوا ہے، وہ میری نسبت اللہ تعالیٰ کا نسبی اعتبار سے زیادہ قریب تھا اور میری نسبت اللہ تعالیٰ کا زیادہ شناسا تھا اور میرے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا زیادہ تعلق دار تھا۔ اس کا قرب سوائے بندگی کے حاصل نہیں ہوتا، وہ مطلقاً نوازنے والا اور عطا کرنے والا ہے۔''

مذکورہ بالا سطور سے واضح ہوا کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ عبادت و بندگی کو قربِ الٰہی کا بنیادی سبب قرار دیتے ہیں۔ عبادت و بندگی کے بغیر اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قربت کا دعویٰ بے بنیاد ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ سے قربِ خداوندی کے حصول کے قریب ترین ذریعے اور راستے کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا:

''الصلاة ایضاً ولکن الصلاة التی لیست فی هذه الصورة الظاهرة فقط هذه (قالب) الصلاة لان لهذه الصلاة بداية و نهاية وكل شئ له بداية ونهاية يكون قالبا لان التكبير بداية الصلاة والسلام نهايتها ومثل ذلك الشهادة فانها ليست الصيغة التى تقال باللسان فقط لان تلك الصفة ايضا بها بداية ونهاية وكل شئ يعبر عنه بالحرف والصوت ويكون له اول وآخر يكون صورة وقالبا اما روحه فغير محدد ولا متناء وليس له اول وآخر وثمة شئ آخر هو ان هذه الصلاة اظهرها الانبياء والآن فان نبينا ﷺ الذى اوضح لنا هذه الصلاة هكذا يقول:

''لى مع الله وقت لا يسعنى فيه نبى مرسل ولا ملك مقرب۔''

وهكذا تحققنا من ان (روح الصلاة) ليس هو هذه الصورة الظاهرة فحسب بل هو استغراق تام وغياب تبقى فيه هذه الصور جميعا خارجا، ليس لها مكان هنالك حتى جبريل الذى هو معنى محض ليس له مكان ايضا۔''[33]

''نماز ہی (خدا تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ ہے)، لیکن صرف اس ظاہری صورت کے ساتھ نماز کافی نہیں، یہ تو نماز کا قالب ہے، کیوں کہ اس نماز کی ابتدا اور انتہا ہے اور ہر وہ چیز جس کی ابتدا اور انتہا ہو، وہ قالب ہوتی ہے، کیوں کہ تکبیر نماز کی ابتدا اور سلام نماز کی انتہا ہے۔ اسی کی مثال کلمہ شہادت بھی ہے، کیوں کہ شہادت صرف وہ الفاظ نہیں ہیں، جو زبان سے ادا کیے جائیں، کیوں کہ اس صفت کی بھی ابتدا اور انتہا ہے اور ہر وہ چیز جو حروف اور آواز کی صورت میں ادا کی جائے، اس کا اول و آخر ہوتا ہے اور وہ صورت اور قالب ہے، جہاں تک اس کی روح کا تعلق ہے، پس وہ غیر محدود اور لا متناہی ہے اور اس کا اول اور آخر نہیں ہوتا۔ یہ ظاہر کے علاوہ کوئی اور چیز ہے اور یہی وہ نماز ہے جسے انبیاء علیہم السلام نے ادا کیا ہے۔ ہمارے نبی ﷺ نے نماز کی اسی کیفیت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''میرے اور خدا کے درمیان ایک وقت ایسا آتا ہے، جس میں کسی مرسل نبی یا مقرب فرشتہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔''

اسی سے ہمارے لیے ثابت ہوا کہ نماز کی روح اس کی محض ظاہری صورت نہیں ہے، بلکہ مکمل استغراق اور دنیا سے بے رغبتی ہے کہ اس میں یہ تمام صورتیں خارج ہو جاتی ہیں۔ وہاں کسی کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی، یہاں تک کہ جبریل علیہ السلام جو معنیٰ محض ہیں، وہ بھی اس مکان پر نہیں سماتے۔"

نماز کی ظاہری اور باطنی حقیقت کو مذکورہ بالا اقتباس سے بہ خوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ مولانا روم رحمۃاللہ علیہ نماز کی باطنی حقیقت کو انبیاء علیہم السلام کی نماز کے مشابہ قرار دیتے ہیں۔

ایک اور موقع پر مولانا روم رحمۃاللہ علیہ استغراق اور بارگاہِ خداوندی میں خشوع وخضوع کی کیفیت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"قال احد الملوک لدرویش: "فی تلک اللحظة التی یکون لک تجل وقرب من جناب الحق تذکرنی" فاجاب الدرویش: عند ما اصل الی تلک الحضرة ویسطع علیّ ضیاء شمس ذلک الجمال لا اعود اتذکر نفسی فکیف اتذکرک؟"[34]

"ایک بادشاہ نے کسی درویش سے عرض کی کہ جس لمحے میں آپ پر اللہ تعالیٰ کی تجلی کا نزول ہو اور بارگاہِ خداوندی کا قرب حاصل ہو، اس لمحے مجھے بھی یاد رکھنا۔ درویش نے جواب دیا: جس وقت میں اس بارگاہ کا وصال پاتا ہوں اور اس آفتابِ جمال کی تاب مجھ پر پڑتی ہے، مجھے اپنا آپ یاد نہیں رہتا، آپ کو کیسے یاد رکھوں گا؟"

مولانا روم علیہ رحمۃ اپنے متوسلین کو اسی کیفیت کو پیدا کرنے کی تلقین کرتے تھے اور خشوع وخضوع کے اسی انداز کو معرفتِ حق کا ذریعہ قرار دیتے تھے۔

بندگی کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا روم رحمۃاللہ علیہ اطاعتِ مصطفوی ﷺ کو ہدایت کا سرچشمہ قرار دیتے ہیں۔ آپ رحمۃاللہ علیہ نے فرمایا:

"ان طریق الحق مخیف جدا وملئ بالعوائق وملئ بالثلج هو اول من عرض حیاته للخطر وحفز جواده وفتح الطریق وکل من یمضی فی هذا الطریق فبهدایته وعنایته، لانه اوضح الطریق فی البدء ووضع فی کل مکان معلما ونصب قطعا من الخشب تقول: لا تمض فی هذا الاتجاه ولا تمضی فی ذلک الاتجاه واذا مضیت فی تلک الوجهة ظفرت بالاخلاص کحال المؤمنین القرآن کله فی بیان هذا " فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ "[35] ای فی هذا الطرق اعطینا علامات واذا ما قصد احد ان یکسر قطعة من قطع الخشب هذه، حمل علیه الجمیع قائلین: لماذا تخرب طریقنا ولم تسعی لاهلاکنا الا ان تکون قاطع طریق اعلم الآن ان محمدا ﷺ هو الدلیل واذا لم یات الانسان اوّلا الی محمد ﷺ فانه لا یمکن ان یصل الینا۔"[36]

"بے شک حق کا راستہ خوف زدہ کرنے والا، آلام سے بھرا ہوا اور یخ بستہ تھا۔ آپ ﷺ پہلے فرد تھے جنھوں نے اپنی جان جوکھوں میں ڈالی اور اپنا گھوڑا اس راہ پر لگا دیا اس راہ کو کشادہ کیا۔ اب جو بھی اس راہ پر گام زن ہو گا، وہ نبی اکرم ﷺ کی ہدایت اور عنایت سے ہی گام

زن ہو گا، کیوں کہ سب سے پہلے آپ ﷺ نے ہی اسی راہ کو واضح کیا اور جگہ جگہ پر نشان لگائے اور یہ کہتے ہوئے لکڑیاں نصب کیں: اس طرف نہ چلنا، اس طرف نہ چلنا، جب تم اس جانب جاؤ گے تو مومنوں کی طرح نجات پاؤ گے۔ قرآن کریم اس تمام کیفیت کو یوں بیان کرتا ہے کہ اس میں واضح نشانیاں ہیں، یعنی ان راستوں میں ہم نے علامات نصب کر دی ہیں اور جب کوئی ان لکڑیوں میں سے کسی لکڑی کو توڑنے کا ارادہ کرتا ہے تو تمام مجتمع ہو کر اس کی مخالفت کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں: تُو ہمارے راستے کو کیوں خراب کرتا ہے؟ اور ہماری ہلاکت کے لیے کیوں کوشاں ہے؟ شاید تُو کوئی ڈاکو ہے۔ خوب اچھی طرح جان لو کہ بے شک محمد ﷺ ہی دلیل ہیں اور جب کوئی انسان پہلے آپ ﷺ کی بارگاہ تک رسائی حاصل نہ کرے، ممکن نہیں ہے کہ وہ ہم تک پہنچ پائے۔"

مولانا روم علیہ رحمۃ واضح کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت حقیقتاً اطاعتِ خداوندی ہے اور اس اطاعت کے بغیر اللہ کی اطاعت کا تصور بھی محال ہے۔

خلاصۂ بحث

مذکورہ بالا تحقیق میں صوفیۂ برصغیر اور ترکیہ کے ملفوظاتی ادب کی تاریخ تیرہویں صدی عیسوی کے تناظر میں بیان کی گئی ہے، جس میں بہ طور خاص "فوائد الفواد" اور "فیہ مافیہ" نیز "مجالسِ سبعہ" کی روشنی میں دعوتِ دین کی مختلف جہات واضح کی گئی ہیں۔ سطورِ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ مشائخ عظام زبانی تبلیغ سے زیادہ عملی تبلیغ پر زور دیتے تھ؛ے اور صحبتِ صالح کو سببِ ہدایت قرار دیتے تھے۔ صحبتِ صالح کے یہ اثرات ان مشائخ کی مجالس سے فیض یاب ہونے والے افراد کی زندگیوں میں بہ خوبی دیکھے جا سکتے ہیں اور ان اثرات سے حاصل شدہ معاشرتی فلاح و فوز کے مظاہر بھی روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ مشائخِ عظام اپنے فرامین کے ذریعے اعمالِ صالحہ کی ترغیب اور اعمالِ سیئہ سے اجتناب کا درس دیا کرتے تھے، نیز بخشش و مغفرت اور بلندیٔ درجات کے لیے بارگاہِ ایزدی میں رجوع کی تلقین کیا کرتے تھے۔ ان نفوسِ قدسیہ کے نزدیک عبادت کا تعلق محض ظاہری اعمال کی بجاآوری کے ساتھ نہیں ہوتا، بلکہ وہ عبادت کے ضمن میں احسان کے اسی تصور کو پیش رکھنے کی تلقین کرتے ہیں، جو حدیثِ جبریل میں سمجھایا گیا ہے۔ مجلس خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی ہو یا مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی؛ ہر دو مجالس میں عبادت و بندگی کو قربِ الٰہی کا سبب اور ذریعہ قرار دیا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو اطاعتِ خداوندی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا تحقیق کے مندرجات سے واضح ہوتا ہے کہ مشائخِ عظام کے نزدیک شریعت اور طریقت میں یگانگت پائی جاتی ہے اور ان میں کسی بھی اعتبار سے افتراق موجود نہیں ہے۔

حوالہ جات

[1] سجزی،امیر حسن، فوائد الفواد، مترجم: شمس بریلوی، طبع: دوم،(۱۹۹۲ء)مقدمہ:ص:۳۰

Sajzī, Amīr Ḥasan, Fawāid ul Fawād, Translator: Shamas Barailvī, Edition 2, (1992AD) Preface, Pg:30

[2] خلیق احمد نظامی،ڈاکٹر،حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی،لاہور، مکتبہ رحمانیہ،ط۔۱،(س ن)،ص:۳۸

Khalīq Aḥmad Niẓāmī, Dr., Ḥayāt Shaikh ʿAbdul Ḥaq, Lāhūr, Maktabah Raḥmānia, Edition 1, Pg:38

[3] نثار احمد فاروقی، پروفیسر، نقدِ ملفوظات، دہلی، مکتبہ جامعہ نئ دہلی لمیٹڈ، طبع:اوّل،(۱۹۸۹ء)ص:۱۰

Nithār Aḥmad Farūqī, Prof., Naqd e Malfūzāt, Dehlī, Maktabah Jāmiʿah New Dehlī Limited, Edition 1, (1989AD) Pg:10

[4] سجزی،امیر حسن، فوائد الفواد: ملفوظاتِ خواجہ نظام الدین اولیاء، تصحیح ومقدمہ وحواشی: محمد لطیف ملک، لاہور، ملک سراج الدین اینڈ سنز پبلشرز، طبع:اوّل،(۱۹۶۶ء)ج:۴،ص:۳۱۹

Sajzī, Amīr Ḥasan, Fawāid ul Fawād, Preface by Muḥammad Laṭīf Malik, Lahore, Malik Sirāj al Dīn and Sons Publishers, Edition 1, (1966AD) Vol.4, Pg:319

[5] فوائد الفواد، ج:۱، ص:۴۹

Fawāid ul Fawād, Vol.1, Pg:49

[6] فوائد الفواد، ج:۱، ص:۵۱

Fawāid ul Fawād, Vol.1, Pg:51

[7] شبلی نعمانی، مولانا، سوانحِ مولانا روم، کان پور، نامی پریس، طبع:اوّل،(۱۹۰۶ء)ص:۴۶

Shiblī Nʿamānī, Maulānā, Sawāneḥ e Maulānā Rūm, Kānpūr, Nāmī Press, Edition:1, (1906 AD) Pg:46

[8] عبدالرشید تبسم، ملفوظاتِ رومی: اردو ترجمہ ’فیہ مافیہ‘‘، لاہور، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، طبع: دوم،(جولائی:۱۹۶۵ء)ص:۳

ʿAbdul Rashīd Tabassum, Malfūẓāt e Rūmī: Urdu Translation “Fīh mā fīh” Lahore, Idārah Thaqāfat e Islāmia, Edition 2, (July 1965AD) Pg:3

[9] ملفوظاتِ رومی، ص:۴

Malfūẓāt e Rūmī, Pg:4

[10] ملفوظاتِ رومی، ص:۴

Malfūẓāt e Rūmī, Pg:4

[11] فوائد الفواد، ج:۴، ص:۳۰۵۔۳۰۶

Fawāid ul Fawād, Vol.4, Pg:305-306

[12] فوائد الفواد، ج:۴، ص:۳۰۸

Fawāid ul Fawād, Vol.4, Pg:308

[13] علامہ اقبال، ڈاکٹر، بالِ جبریل، لاہور، الفیصل ناشران وتاجران کتب،(جنوری:۱۹۹۵ء)ص:۷۲

Allāmah Muḥammad Iqbāl,Dr. , Bāl e Jibrīl, Lāhūr, Al Faiṣal Nāshirān w Tājirān e Kutub, (January 1995AD) Pg:72

[14] عیسیٰ علی العاکوب، ترجمہ عن الفارسیۃ، فیہ مافیہ: احادیث مولانا جلال الدین رومی، دمشق، دارالفکر،(س ن)ص:۳۱۶

ʿEīsā ʿAli Alʿākub, Translation from Persian, Fīh mā fīh: Ahadith Maulānā Jalāl al Dīn Rūmī, Dimishq, Dār al Fikr, Pg:316

[15] فوائد الفواد، ج:۱، ص:۴

Fawāid ul Fawād, Vol.1, Pg:4

[16] فوائد الفواد، ج:۱، ص:۱۰

Fawāid ul Fawād, Vol.1, Pg:10

[17] فیہ مافیہ: احادیث مولانا جلال الدین رومی، ص:۱۲۲

Fīh mā fīh: Ahadith Maulānā Jalāl al Dīn Rūmī, Pg:122

[18] فیہ مافیہ: احادیث مولاناجلال الدین رومی، ص:۱۹۳
Fīh mā fīh: Ahadith Maulānā Jalāl al Dīn Rūmī, Pg:193

[19] فیہ مافیہ: احادیث مولاناجلال الدین رومی، ص:۹۴
Fīh mā fīh: Ahadith Maulānā Jalāl al Dīn Rūmī, Pg:94

[20] فوائدالفواد، ج:۱، ص:۲
Fawāid ul Fawād, Vol.1, Pg:2

[21] فوائدالفواد، ج:۱، ص:۲۶۔۲۷
Fawāid ul Fawād, Vol.1, Pg:26-27

[22] توفیق سبحانی، الدکتور، مجالسِ سبعہ: ہفت خطابہ (مولاناجلال الدین رومی)، مؤسسہ کیھان، طبع: دوم، (۱۳۷۲ء) ص:۲۲
Taufīq Subḥānī, Dr. Majālis e Sabʿah: Haft Khiṭabah, (Maulānā Jalāl al Dīn Rūmī), Muassisah Kaihān, Edition 2, (1372AD) Pg:22

[23] الانفال، ۸:۷۰
Al-Anfāl, 8:70

[24] یوسف، ۱۲:۸۷
Yūsuf,12:87

[25] فیہ مافیہ: احادیث مولاناجلال الدین رومی، ص:۳۰
Fīh mā fīh: Ahadith Maulānā Jalāl al Dīn Rūmī, Pg:30

[26] ملفوظاتِ رومی، ص:۳۵۵
Malfūẓāt e Rūmī, Pg:355

[27] فوائدالفواد، ج:۱، ص:۸
Fawāid ul Fawād, Vol.1, Pg:8

[28] فوائدالفواد، ج:۱، ص:۱۴
Fawāid ul Fawād, Vol.1, Pg:14

[29] فوائدالفواد، ج:۱، ص:۲۱
Fawāid ul Fawād, Vol.1, Pg:21

[30] الاخلاص، ۱۱۲:۳
Al-Ikhlā ṣ, 112:3

[31] محمد، ۴۷:۳۸
Muḥammad, 47:38

[32] فیہ مافیہ: احادیث مولاناجلال الدین رومی، ص:۲۴۷
Fīh mā fīh: Ahadith Maulānā Jalāl al Dīn Rūmī, Pg:247

[33] فیہ مافیہ: احادیث مولاناجلال الدین رومی، ص:۴۱
Fīh mā fīh: Ahadith Maulānā Jalāl al Dīn Rūmī, Pg:41

[34] فیہ مافیہ: احادیث مولاناجلال الدین رومی، ص:۴۲
Fīh mā fīh: Ahadith Maulānā Jalāl al Dīn Rūmī, Pg# 42

[35] آل عمران، ۳:۹۷
Aāl e ʿImrān, 3:97

[36] فیہ مافیہ: احادیث مولاناجلال الدین رومی، ص:۳۱۹
Fīh mā fīh: Ahadith Maulānā Jalāl al Dīn Rūmī, Pg:319